مسرور جہاں کی فکری اساس اور افسانہ نگاری

حفصہ اختر

اردو زبان اور ادب کی ترقی اور ترویج میں خواتین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ خواتین افسانہ نگاروں نے جہاں ایک طرف سماجی مسائل کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا وہیں عورتوں کے جذبات، احساسات، انکے مسائل، انکی نفسیات، ان پر کیے جانے والے ظلم اور آزادی نسواں کے لئے بھی آواز اٹھائی۔ رشید جہاں، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، رضیہ سجاد ظہیر، فرلا دیوی، جمیلہ ہاشمی، صالحہ عابد حسین، بانو قدسیہ، زاہدہ حنا سے لے کر جیلانی بانو تک خاتون افسانہ نگاروں کا ایک سلسلہ ہے جس نے اپنے افسانوں اور ناولوں کے ذریعہ اس عورت کا احساس دلایا جو معاشرے کے ہر حصے میں کسی نہ کسی صورت موجود ہے۔ اردو ادب کی دنیا میں ایسا ایک معتبر خاتون کا نام مسرور جہاں ہے۔ مسرور جہاں نے اردو ناول اور افسانہ ادب کے یہ دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے اردو ادب میں بلخصوص اردو افسانے میں قارئین کی دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اہم رول ادا کیا۔ مسرور جہاں نے ترقی پسند تحریک کا دور بھی دیکھا اور اسکے بعد جدیدیت اور دوسرے رجحانات کا تجربہ بھی کیا۔ مگر مسرور جہاں نے خود کو کسی تحریک یا رجحان سے وابستہ نہیں کیا۔ وہ اپنے طور پر ہی لکھتی رہیں۔ انہوں نے اپنی تخلیق میں لکھنؤ کی تہذیب کی روح اور اردو زبان کی پاکیزگی کو برقرار رکھا۔

مسرور جہاں ۸ جولائی ۱۹۳۸ء کو لکھنؤ، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق لکھنؤ کے ایک تعلیم یافتہ اور مذہبی گھرانہ سے تھا۔ علمِ ادب انکو وراثت میں ملا تھا۔ انکے دادا شیخ مہدی حسین ناصری لکھنوی کا شمار معروف شعراء اور ادباء میں ہوتا تھا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ درس اور تدریس میں بھی انکی خدمات قابل

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش

ذکر ہیں۔انکے والد صاحب کا نام نصیر حسین تھا۔وہ بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے اور ساتھ ہی ساتھ تدریس کے پیشے سے منسلک رہے۔انہوں نے برسوں اسلامیہ کالج ،لکھنؤ میں درس اور تدریس کے فرائض انجام دیئے۔مسرور جہاں نے محض ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کر پائیں۔صرف ۱۶ سال کی تھی جب انکی شادی ہوئی تھی۔انکے شوہر نواب سید محمد مرتضٰی خان کا تعلق آغا میر کے خاندان سے تھا لیکن انہوں نے تمام نوابین کے برخلاف اپنے قوت بازو پر بھروسہ کیا۔[۱] نگہت سلطانہ عابدی نے ''مسرور جہاں کی شخصیت اور فن'' پر مقالہ لکھ کر 'ڈی لٹ' کی ڈگری حاصل کی ہے۔تاجکستان کے جاوید خولوف نے مسرور جہاں کی ادبی خدمت پر۲۰۱۲ءکو پی ایچ ڈی کی ہے۔پی ایچ ڈی مکالہ کا عنوان ''ادبی خدمت:مسرور جہاں'' ہے۔[۲] مسرور جہاں کی ادبی تخلیقات پر انہیں بہت سے اعزاز سے نوازا گیا۔انہیں ۱۹۸۲ء میں '' آل انڈیا میرا کیڈمی ایوارڈ''، ۲۰۱۰ء میں ''لیٹریچر اچیومنٹ ایوارڈ''، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۲۰۰۴ اور ۲۰۱۸ء میں چار مرتبہ ''اتر پردیش اردو اکیڈمی ایوارڈ'' سے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔[۳] مسرور جہاں ایک بھرپور ادبی زندگی گزار کر ۸۱ برس عمر میں ۲۲ ستمبر ۲۰۱۹ء کو اپنے خلق حقیقی سے جا ملیں۔

بہت کم عمر میں انہوں نے لکھنا شروع کیا۔انکی پہلی کہانی '' وہ کون تھی'' ۱۹۵۲ء میں روزنامہ اخبار ''قومی آواز'' لکھنؤ میں شائع ہوئی۔۱۹۶۲ء میں انکا پہلا ناول ''فیصلہ'' پاکستان سے شائع ہوا تھا۔انکے ۶۵ ناول اور ۵۰۰ سے زائد افسانے منظر عام پر آ چکے ہیں۔[۴] انکے کئی افسانوں کے تراجم، پنجابی ،تامل، تیلگو، کنڑا اور ملیام وغیرہ مختلف زبانوں میں دستیاب ہیں۔مسرور جہاں کا افسانہ ''سلیب پر ٹنگی ہوئی زندگی'' اردو دہلی دوردرشن سے ڈرامے کی شکل میں دو قسطوں میں ٹیلی کاسٹ ہوا تھا اور مقبول عام ہوا تھا۔[۵]

انکے افسانوی مجموعے کے نام حسب ذیل ہیں:

افسانوی مجموعہ	ادارہ اشاعات	سن اشاعت
دھوپ دھوپ سایہ	مسرور جہاں، کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ، لکھنؤ	۱۹۷۹ء
بوڑھا یوکلپٹس	مسرور جہاں، کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ، لکھنؤ	۱۹۸۲ء
پرندے کا سفر	مسرور جہاں، کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ، لکھنؤ	۱۹۸۴ء

چراغ پھولوں کے	کرینسٹ پبلسنگ کمپنی، علی گڑھ	۱۹۸۵ء
تیرے میرے دکھ	اردو اکاڈمی، اتر پردیش	۱۹۸۷ء
پل صراط		۲۰۰۲ء
کل کی سیتا آج کی سیتا	ایجوکیشنل پابلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۰۲ء
اللہ تیری قدرت		۲۰۰۲ء
کہاں تم ہو!	ایجوکیشنل پابلشگ ہاؤس، دہلی	۲۰۰۹ء
خواب در خواب سفر	ایجوکیشنل پابلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۲ء
ہمیں جینے دو	ایجوکیشنل پابلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۵ء

ابتدا سے مسرور جہاں ایک بلند پایہ حساس ذہن کی مالک تھیں۔ اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات، حادثات اور سماجی کش مکش کو انہوں نے محسوس کیا اور بخوبی سے اپنے خیالات اور جذبات کو تحریری شکل دے کر قارئین کے سامنے پیش کیے۔ اور اسی طرح افسانوی دنیا میں انکا سفر شروع ہوا تھا۔

مسرور جہاں کے افسانوں کا حسن انکی سادگی میں پوشیدہ ہے۔ انکی زبان سادہ، سلیس اور پر کشش ہے۔ وہ بڑی معصومیت اور آسان طریقہ کے ساتھ کہانی بیان کرتے کرتے ایک آدھ ایسا جملہ لکھ جاتی ہیں جس سے کہانی کو ایک نئی روح مل جاتی ہے اور قارئین سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بقول رضیہ خاتون:

> ''مسرور جہاں کا انداز بیان بھی ان کی شخصیت کو تابناک بنا دیتا ہے۔ ان کی خوبی ہی ہے کہ بغیر کسی انقلاب و تیکھے انداز کے اپنی کہانیوں کا تانا بنا نہایت سادگی سے بنتی ہیں جس نے ذہنی احتجاج پیدا کرنے کی بجائے دلوں کو مسحور کر لیتا ہے۔ انکی کہانیاں دل کو ٹھیس پہنچانے کے ساتھ ساتھ ایک کسک بھی پیدا کر دیتی ہیں۔
>
> ماضی کی سادگی اور موجودہ زمانے کے پر پیچ حیاتی مسائل نرم و سبک انداز سے بیان کرنا انہیں کا حصہ ہے۔''[6]

مسرور جہاں کی زبان کی سادگی کو اس کی عمومیت نہیں بلکہ خصوصیات کے ادخال میں شمولیت کے سبب کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں کے لئے جو اسلوب اختیار کیا ہے، بہ اعتبار موضوع اسے مثالی اسلوب کہا جا سکتا ہے۔ انکے افسانوں میں موضوع اور اسلوب ایک دوسرے سے ہم اہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ایک طرف انہوں نے اپنے اسلوب کو زیادہ سے زیادہ بامعنی بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اپنے گردو پیش رونما ہوئے واقعات میں کسی فلسفیانہ نظام کو تلاش کرنے بجائے ان میں مضمر مختلف نفسیاتی پہلوؤں کو سامنے رکھا۔مسرور جہاں نے اپنے افسانوں میں اخلاقی نظام کو موضوع بنایا ہے جو ایک طرف ایک علیٰ اور مخصوص تہذیب کے زوال کے اسباب کا اشاریہ فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف تہذیب کے صحیح اور مثبت پہلوؤں کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔''نور بے نور''،''اللہ تیری قدرت''،''نامحرم''،''پیش بندے''اور''بھرم''وغیرہ افسانے اسی نظام کی آئینہ دار ہیں۔

''نور بے نور'' افسانہ کو لیجئے ،اس افسانہ کے اہم دو کردار سکندر مرزا اور سیدانی بی بی ہیں۔سیدانی بی بی کے شوہر سید صاحب محل سرا کی مسجد کے نگراں اور موذن تھے۔انکے انتقال کے بعد سرکار دلھن نے سیدانی بی بی کے لئے محل میں رہنے کا انتظام کیا۔سیدانی بی بی بہت خوبصورت اور نیک عورت تھیں۔مصنفہ کہی ہیں:

> ''یوں بھی وہ اس خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس کا مسلک ہی نیکی ،صبر اور قناعت تھا
> ....انہیں دیکھ کر حوروں کی حقیقت پر ایمان لانا پڑا۔محل سرا کی حسین بیگمات کی بیچ وہ
> اس طرح نظر آتیں جیسے ستاروں کے درمیاں ماہتاب۔''۷

اس محل کے مالک سکندر مرزا کو سیدانی بی بہت پسند آئیں۔نواب سکندر مرزا عورت کے معاملے میں عادی قسم کے گناہگار تھے۔انہوں نے اپنی خاص خادمہ خیرن کے ذریعے سیدانی بی کے پاس عقد کا پیغام بھیجا۔لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔پھر دولت کا لالچ دیکھایا تو سیدانی بی نے خیرن سے ایک کڑاک جواب بھجوایا:

> ''ہر عورت مٹی کا کھلونا نہیں ہوتی کہ جب پسند آجائے یہ امیر زادے اس سے کھیل
> لیں۔نہ ہر عورت بکاؤ ہوتی ہے کہ قیمت دے کر سودا کر لیں۔شریف عورت اپنی
> عزت نہیں بیچ سکتی۔عزت کے بدلے وہ جان دے سا کتی ہے۔''۸

یہ جواب سن کر مرزا آپے سے باہر ہو گئے اور بدلہ لینے کے لئے جب سیدانی بی کے گھر پہنچتے ہیں تو ایک ایسا منظر دیکھتا ہے، جس کا بیان مصنفہ نے کچھ اس طرح سے پیش کیا ہے:

> ''دیوار میں لگے ہوئے پیتل کے چمکدار سہ شاخے میں ایک موم بتی روشن تھی جس کی زرد روشنی میں نواب سکندار مرزا کو سیدانی بی نظر آگئیں ۔انکا جسم چھت کے قلّابے میں رسّی کے سہارے جھول رہا تھا۔ان کی آنکھیں حلقوں سے باہر اُبل آئی تھیں۔موت کی اذیّت ان کے بھیانک نظر آنے والے چہرے سے جھلک رہی تھی۔''[9]

یہ موت نواب پر کچھ ایسا اثر کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی بھی ختم کر لیتے ہیں۔ پورا افسانہ خیر اور شر کے تصادم کو بڑی خوبی سے پیش کرتا ہے۔ پہلے یہ تصادم ،سیدانی بی اور سکندر مرزا کے درمیاں ہوتا ہے۔اور سیدانی بی کے موت کے بعد نواب سکندار اور انکی ہستی کے درمیاں ہوتا ہے۔اس طرح افسانہ نگار اپنے تجربوں اور مشاہدوں کے روشنی میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے عام واقعات پر قلم اٹھایا ہے لیکن ان میں بھر پور معنویت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسرور جہاں نے معاشرے کی دم توڑتی اقدار حیات، زوال پذیر تہذیب کو بہت ہی قریب سے دیکھا۔ بیسویں صدی کے لوٹتے سرمایے میں جو قیمت مسلم اور خاص کر متوسط طبقے کو ادا کرنی پڑی اس کا احساس مسرور جہاں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔جس کی جھلک انکے افسانوں میں نظر آتی ہے۔انہوں نے مذہب کی بنا پر قومی اختلاف ،تشدد، غیر انسانی سلوک ،ظلم وستم سے ملبوس معاشرے کو دیکھا اور یہی امید کی کہ ایسا سماج ہو جو انسانی قدار کی بقا کا ضامن ہو ،جس کی بنیاد صرف اور صرف انسانیات اور حقوق پر قائم ہو۔مسرور جہان کا ایسا ہی ایک تخلیق کردہ افسانہ ''امام ضامن'' ہے جو قومی یکجہتی کی مثال ہے۔افسانہ ''امام ضامن'' میں گوتم کے باپ سرحد پر جنگ میں اپنا ایک ہاتھ گنوا دیتا ہے۔وہ کہتے ہے:

> ''میں ادھورا ہو کر بھی مکمل ہوں۔ کیونکہ میں نے ایک بڑے مقصد کے لئے جنگ کی تھی۔اور اپنے ملک سے وفاداری اور محبت کے ثبوت میں ایک ہاتھ گیا۔اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تو دکھ نہ ہوتا۔دکھ تو انکے لئے ہے جو مکمل ہو کر بھی نامکمل اور

ادھورے ہیں۔ میں اُس جنگ کے خلاف ہوں، جو بھائی بھائی سے کر رہا ہے۔ میں اس لڑائی سے نفرت کرتا ہوں جو اپنے اپنوں سے کرتے ہیں۔ میں مذہب، نسل، زبان اور فرقوں کے نام پر جنگ کرنے کو بزدلی سمجھتا ہوں.....لیکن یہ جنگ ہر جگہ ہو رہی ہے۔ ان دیکھے ہاتھ اس جنگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان ہاتھوں پر فاطمہ مَوسی کا دیا ہوا امام ضامن باندھ دوں اور تب ان سے پوچھوں کہ کیا اب بھی یہ ہاتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں؟ بھائی کا گلا کاٹنے کے لئے آمادہ ہیں؟ اور کیا یہ ہاتھ اب بھی اپنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی جرات کر سکتے ہیں؟''۱۰

اس موضوع پر اور ایک افسانہ ''چراغوں کا سفر ہے'' ہے۔ اس افسانہ میں مذہب اور نسل کے اوپر ہوئے ظلم اور بربادی کی تصویر کھینچی گئی۔ مصنف ایک عرصے کے بعد باہر سے جب لوٹا تو اردگرد سب بدلتا ہوا منظر دیکھا اچانک ایک دوست مل جاتا ہے جسے اس نے کامریڈ بولا یا کرتا تھا۔ کامریڈ نے اسے لے کر کچھ جگہوں پر لے گئے اور ظلم اور ستم کی نشانی دیکھائی اور کہنے لگا:

''یہ ریاکاری کس لئے میرے دوست؟ یہ منافقت کیوں؟ جب یہ سب زندہ تھے تو ہم سب ان سے بیر رہا۔ اور جب مر گئے تو ہم ان پر آنسوں بہارہے ہیں۔ اور معاف کرنا یار۔ اب تو ان آنسوؤ کا مزہ تک بدل گیا ہے۔۔۔۔۔لہو رونے سے تو اچھا ہے کہ ہماری آنکھیں خشک رہیں۔ بلا سے ہمیں کوئی سنگدل کہے یا ظالم!''۱۱

اور پھر کامریڈ ایک امید کی کرن دیکھتا ہے اور کہتا ہے:

''ان خونیں مناظر سے پرے ایک جگہ ایسے بھی ہے جہاں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔ اُس دھرتی کے ذرّہ ذرّہ میں خدا اور بھگوان بستے ہیں۔ قدم قدم پر وہاں سجدے کے نشان ملتے ہیں۔ ایسی مقدس جگہ زمین کے جس خطّے پر ہوگی سورگ کہلائے گی۔ رام اور رحیم کی یہ بستی بھی ایسی ہی پرکس اور مقدس ہے۔ وہاں ہمیں اپنے کان اور آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اُن نظارں کو اپنی اتما میں بسنے کو جی چاہتا ہے۔''۱۲

فرقہ وارانہ فساد اور قومی یکجہتی پر مسرور جہاں کے کئی افسانے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جن میں ''بشارت''،

''خواب درخواب سفر''،''گڑیا''، اندھیارے میں ایک کرن''،''چراغوں کا سفر''،''نئے موسم کی نئی فصل''، ''پہچان کا سفر''،''تاریکیوں کے بعدوغیرہ خاص طور کے قابل ذکر ہیں۔ یہ کہانیاں ان انسانوں کے حوالے ہیں جو تاریخ میں بار بار دہرائے جاتے ہیں۔''جوتھی سمت''اور''جائے اماں''اس خوف کے افسانے ہیں جس کے لئے کامیو نے لکھا ہے:

> ''ہماری اپنی بیسویں صدی خوف کی صدی ہے۔اور یہ زمانہ جوگزرا ہے ہم میں چھپی ایک چیز کو مار گیا ہے۔اور یہ چیز انسان میں اپنی ذات کا اعتماد تھا۔ہم اس سبب سے ڈراور خوف میں جی رہے ہیں کہ اب دل نشینی ناممکن ہوکررہ گئی ہے۔''[۱۳]

کہانی کی سادگی،انتہائی آسان زبان،عوامی انداز نگارش،آسان تخیل وغیرہ مسرور جہاں کے افسانوں کی وہ خصوصیات ہیں جوان کو ہم عصروں میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔انکے افسانے پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھتی ہیں اورواقعات کا احاطہ انتہائی باریکی سے اس طرح کرتی ہیں کہ کہانی ان کے قلم کے سہارے بہنے لگتی ہے۔انکی کہانیاں جنم نہیں لیتی بلکہ ابھرتی ہیں۔انہوں نے نئے نئے تجربات کئے ہیں اور نئے نئے مسائل کوموضوع بنایا ہے۔حالانکہ انکی کہانیوں کا پس منظر معاشرتی ہوتا ہے لیکن اس قدر حقیقی ہے کہ قاری انہیں اپنی کہانی خیال کرتا ہے۔انکے کئی افسانے علامتی ہیں۔بہت سلیس انداز بیان سے معمالی کوئی کہانی پیش کرتی ہے لیکن اس کے پیچھے ایک گہری چھاپ چھوڑ جاتی ہے جسے پڑھ کر قاری خود چونچھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔اوراس سے انکی افسانوی عظمت معلوم ہو جاتی ہے۔''ان دیکھا ہاتھ''انکی ایک علامتی کہانی ہے۔افسانہ میں ایک شخص جوروزمرہ زندگی میں ہوئے واقعات سے پریشان رہتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ ان جرائم کے پیچھے کوئی ان دیکھا ہاتھ ہے اوراس کے تلاش کرنا شروع کردیتا ہے اورآخر میں وہاں خودکو پاتا ہے یعنی مصنف نے اسے اپنی اندر کی ہستی سے روبروکردیتی جس سے وہ بھگتا آرہا تھا۔وہ کہتا ہے

> '' آتش زنی،قتل،اغوا،لوٹ مار، ڈاکہ'' یہ سارے واقعات اب روز مرّہ کے معمولات میں شامل ہو چکے تھے۔سارے اخبارات ایسی ہی خبروں سے بھرے

رہتے تھے۔۔۔۔۔۔اسکی بے چین آنکھیں ایک ایک لفظ اور ایک ایک سطر ٹٹولتیں کے شاید کوئی خوش کُن خبر، زندگی کا احساس جگاتی کوئی خوبصورت بات، کوئی پُر لطف قصہ، کئی انوکھی کہانی مل جائے۔لیکن ہر روز وہ مایوس ہو جاتا ہے اور بے دلی سے اخبار پھنک دیتا۔کل تک ہر جرم اور سازش کو بے نقاب کرنا بے حد آسان تھا۔لیکن اب ان دیکھے ہاتھ جرم کرنے کے بعد بڑی صفائی سے غائب ہو جاتے تھے۔اور قانون کے رکھوالے ٹامک ٹوئیے مارتے رہ جاتے۔''۱۴

''بیساکھی'' جیسا افسانہ میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار علامت کے ذریعے بہت عمدہ انداز میں کیا۔
مسرور جہاں کے افسانوں کا ایک اور اہم موضوع انسان اور اس کی تہذیبی رشتوں کا احساس ہے۔انکے افسانے میں بھرے بھرے گھر نظر آتے ہیں۔ ان رشتوں کی محبتوں، نفرتوں اور درمیان ان کی کشمکش کی دریافت وہ نہایت فطری انداز میں کرتی ہیں۔اس موضوع پر ایک عمدہ افسانہ ''دھوپ دھوپ سایہ''۔
''دھوپ دھوپ سایہ'' ایک کشمیری شال بیچنے والے علی محمد بٹ کی کہانی ہے۔جو شالیں بیچتے بیچتے گھر کے افراد سے اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ بچوں کے لئے ان کا ماموں اور گھر کی مالکن کے لئے انکا بھائی بن جاتا ہے۔اور انہیں اپنے گھر بیوی بچوں کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات بتا تا رہتا ہے۔گھر کی مالکن کو آپا کہ کر پکارتا تھا۔شوہر کی موت کے بعد گھر کی مالکن کی مالی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔ایسے میں اس کی بیٹی صبا کی شادی طے ہو جاتی ہے۔صبا ماں کو بتائے بغیر علی محمد بٹ کو خط لکھ دیتی ہے۔وہ کشمیر سے آتا ہے اور صبا کی شادی میں بزرگ کی حیثیت سے شریک ہی نہیں ہوتا بلکہ تحفہ میں جامہ دار کی وہ قیمتی شال بھی دیتا ہے جسے اس کی آپا خرید نہیں پائی تھیں۔مسرور جہاں کی یہ کہانی ''شال فروش'' کے عنوان سے مہارشٹر کے اردو تعلیمی نصاب میں آج بھی شامل ہے۔۱۵

مسرور جہاں کے بعض افسانوں میں وہ حقائق بھی موجود ہیں جہاں رشتے بے معنی ہو جاتے ہیں۔لوگ اپنی اپنی زندگی میں گم ہو جاتے ہیں۔''تنہائی کا درد'' موجودہ معاشرے کی اس حقیقت کو بیاں کرتی ہے جہاں رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔حامد اور زہرہ نے اپنی بیٹوں کو علی تعلیم دلانے کے اپنی زندگی کا ہر سکھ

قربان کر دیتا ہے۔ لیکن بڑے عہدوں پر پہنچ کر اور شادیاں کر کے وہ ماں باپ کو بالکل بھولا بیٹھے اور انہیں گھر پر بالکل اکیلا چھوڑ دیا۔ تنہائی کا درد سہتے سہتے اور اپنے اولاد کی انتظار میں آخر حامد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ لیکن انکے بیٹوں کو اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ باپ کی میت میں شریک ہو سکے اور اپنی ماں کا سہارا بنے جواب بالکل اکیلا ہو گئی تھی۔ ۱۶

چونکہ مسرور جہاں لکھنؤ سے تھیں تو لکھنؤ کے قدیم اور مشہور تہذیب، معاشرہ، رسم ورواز، اداؤں کے بدلتے ہوئے رخ کو بہت قریب سے دیکھا۔ اپنی جڑوں سے بے رغبتی اور نئی تہذیب کی جانب عوام کی اندھیری دوڑ کو دکھ کر انہیں درد محسوس ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے اس احساس کو قابو رکھ کر اخلاقی زوال اور دم توڑتی ہوئی تہذیبی اقدار کو بہت سلیس انداز کے ساتھ بیان کیا۔ بدلتے ہوئے شہر کے مناظر کچھ اس طرح سے پیش کیا:

> "برسوں بعد وہ اپنے شہر آیا تھا۔ اسے اپنا ملک چھوڑے نہ جانے کتنے ماہ وسال بیتے تھے۔ بس اتنا یاد تھا کہ جب وہ گیا تھا تو بیس اکیس سال کا نوجوان تھا اور یہ شہر بھی پوری طرح جوان نہیں ہوا تھا۔ عمارتیں، سڑکیں، گلیاں آج کی طرح خوبصورت نہیں تھیں۔ یہ اونچی اونچی عمارتیں جگ مگ کرتے بازار، پختہ اور ہموار سڑکیں، سرسبز پارک گویا ایک نیا شہر وجود میں آ گیا تھا۔ اوبڑ کھابڑ گلیاں کھڑنجہ لگا کر سنواری گئی تھیں۔ انہیں گلیوں میں اسکا مکان تھا۔ لیکن اب یہ گلیاں اجنبی ہو گئی تھیں۔ اور اس کا گھر کہیں کھو گیا تھا۔ ساری نشانیاں غائب تھیں۔" ۱۷

مسرور جہاں کے افسانوں میں بدلتے ہوئے کلچر کی عکاسی کو بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ پرانی عمارتوں کے کھنڈرات، رسم ورواج اور اخلاقی قدروں کے زوال، پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب کا غلبہ، زندگی کے بدلتے آدب واطوار کا نقشہ انکی کہانیوں سطروں میں موجود ہیں۔ اس نئی ہوا نے لکھنؤ کی عشرت گاہوں، حویلیوں، بالا خانوں، محلات، بارونق بازار، شہزادیوں کے آنگن، ناز وادا کی محفلوں کو تبنا کی عطا کرنے کے بعد مادی اور مشینی عہد کی نذر ہو گئیں تھیں۔ ۱۸ افسانہ "اندھیارے میں ایک کرن" سے چند اقتباس مثال کے طور پر پیش ہیں:

''دونوں فرقے بزرگ اس نئی صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ انہیں ان سرپھرے نوجوانوں کے ہاتھوں اس شہر کی پرانی تہذیب اور بھائی چارے کی روایت کا خون ہوتے دیکھ کر بہت دکھ ہوتا تھا۔ لیکن نیا خون اتنا گرم تھا کہ بزرگوں کے سمجھانے بجھانے سے اس کا ٹھنڈا ہونا مشکل ہی نظر آتا تھا...... آپس میں بھائی چارہ اور محبت ایسا کہ شادی بیاہ میں باورچی اور حلوائی آمنے سامنے بیٹھ کر پلاؤ، متنجن، شیرمال، کباب، قورمہ، بریانی، پوری، کچوری اور مٹھائی بناتے تھے مگر دیکھنے والوں کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اصل میزبان کون ہے۔ ہولی، دیوالی اور بقرعید کی رونق دونوں فرقوں کے دم سے تھی۔ لیکن زمانے کی رفتار بدلی تو سب کچھ بدل گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جو صدیوں کے ہمسایہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔''[۱۹]

رومانی موضوع پر مسرور جہاں کے کئی افسانے ہیں۔ لیکن انکے یہاں عشق کی خوبصورتی، عاشق کی بے وفائی، عشق میں گرفتار ہوئی محبوبہ کی جذبات، بچھڑنے کا غم، حقیقت کے سامنے بے بس کردار، کش مکش، وغیرہ کے تصور ملتے ہیں۔ انہوں نے عشق میں گرفتار خاتون کے جذبوں کو زیادہ اہمیت دی۔ ''بوڑھا یوکلپٹش'' اس موضوع پر لکھی گئی ایک عمدہ کہانی ہے۔ کہانی کے اہم کردار احمر جو ایک بے وفا عاشق تھا۔ وہ اپنے عشق میں معصوم ملیحہ کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ اور اپنے عشق کا گواہ ایک بوڑھا یوکپٹش درخت کو بناتا ہے:

''احمر نے قلم تراش کو نوک سے سفید تنے پر دھڑکتے ہوئے دل سے دو لفظ لکھ دیئے۔ اے۔ ایم، احمر۔ ملیحہ۔ دیکھو ملیحہ یہ بوڑھا یوکلپٹس ہماری محبت کا گواہ ہے۔ اس سینہ پر ہمارے نام کندہ رہیں گے۔ اور جب جب ہم یہاں آئیں گے اسے دیکھ کر اپنی محبت کی یاد تازہ کریں گے۔ یہ نام ہمیں یہ یاد دلاتے رہیں گے کہ ہم ایک دوسرے کے ہیں۔''[۲۰]

لیکن احمر آخر اپنے وعدے سے مکر گیا۔ ملیحہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ ایک زندہ لاش بن گئی۔ اسکی سارے خواب اور ارمان ٹوٹ کر بکھر گئے۔ کسی اور کے ساتھ اس کی شادی کر دی گئی۔ کئی سال بعد جب احمر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ ملک چھوڑنے سے پہلے ملیحہ سے ایک دفعہ ملاقت کرنے کی گزارش کی تو ملیحہ نے جواب

دیا:'' کیوں؟ کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ وہ چیخ پڑی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ میں کیسے تل تل کر کے مر رہی ہوں؟ یہ دیکھنے کے لئے کہ انکی جدائی میں میرا کیا حال ہو رہا ہے؟ انکے بغیر میں کیسی بے حال ہو رہی ہوں؟۔ مجھے ان سے نہیں ملنا ہے مریم۔'' ۲۱ آخر احمر ملک چھوڑ کے چلے گئے۔ اور ملیحہ اسکے دیے ہوئے دکھ اور اسکے جدائی میں تڑپتی رہی۔ ملیحہ کی اس درد بھری آہ کو مصنف نے کچھ اس طرح بیان کیا:

> رات میں بڑے زور کا طوفان آیا۔ اور صبح سب نے دیکھا۔ بوڑھا، مہربان اور سب کا غمگسار یوکلپٹس جڑ سے اکھڑ کر گر چکا ہے۔ شاید ملیحہ کے درد کو سہارنے کی طاقت وہ کھو چوکا تھا۔ اور اب سب کے قدموں میں شرمندہ اور سرنگوں پڑا تھا۔۔ بیچارا۔۔ بوڑھا یوکلپٹس!!'' ۲۲

اس طرح انہوں نے ملیحہ کے ذریعے ہر وہ ایک عورت جو اپنے عاشق کی جدائی میں تڑپتی ہے، اپنی جذبات کو دفنہ کر، اپنے درد کو سب سے چھپا کر زندہ لاش بن جاتی ہے اسکی ایک جھلک قاری کے سامنے پیش کیا تا کہ اس مخفی درد کا احساس ہو سکے۔ افسانہ ''ہمسفر ہمسفر اکیلا'' میں انہوں ایسا ایک عاشق عرفی کی تصویر کھینچی جو اپنے محبوبہ شمّو سے بہت محبت کرتا تھا اور یہ بھی جنتا تھا شمّو بھی اسے بہت محبت کرتی ہے۔ لیکن اپنی غربت کی وجہ سے عرفی نے کبھی اپنی دل کی بات شمّو سے اظہار نہیں کیا اور اس کی شادی کسی اور سے کروادی گئی۔ اور کئی سال بعد شمّو جب اپنے گھر بھائی کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے آتی ہے تو اسے عرفی کی ایک پرانی ڈائری ملتی ہے جہاں شمّو کے متعلق ہر ایک بات قلم بند کیا۔

> ''میں ایک کرسی پر بیٹھ کر دائری کیا وراق پلٹنے لگی۔ پڑھتے پڑھتے میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا۔ کیسا مکّار، دغا باز اور فریبی انسان نکلا یہ عُرفی؟ ڈئری کا ہر صفحہ، ہر سطر، ہر لفظ میری محبت کے اعتراف میں لکھا گیا تھا۔ اس نے تو میرے لباسوں کے رنگ تک لکھ رکھے تھے۔ کہ میں نے کس موقع پر کون سا لباس پہنا تھا۔ میری پسند نہ پسند، میری افتادِ طبع۔۔۔ اتنا تو میں بھی اپنے آپ کو نہیں جانتی تھی۔۔۔'' ۲۳

اور یہ اوراق پڑھکر شمّو رونے لگی کہ اتنے عرصے تک وہ یہی سمجھتی آئی کہ یہ پیار صرف شمّو کی طرف سے ہی

تھا۔ پھر وہ غصہ ہو کر فوراً جب اپنے گھر لوٹ رہی تھی تو عرفی دوڑتے ہوئے ریل گاڑی میں چڑھا اور آخر اپنے دل کی بات اس طرح سے ظاہر کیا:

''ڈائری پڑھ لی؟ اس نے پوچھا جواب میں میری آنکھیں برس پڑی۔' مجھے غلط مت سمجھو، میں مجبور تھا۔۔۔۔ ایک حادثہ نے مجھ سے ہمیشہ کے لئے ازدواجی زندگی کی مسرتیں چھین لیں۔ اس کے لئے میں تم سے محبت کرنے کے باوجود کبھی تم سے اپنی چاہت کا اظہار نہ کر سکا۔ محبت خود غرض نہیں ہوتی شمّو! تم کو ایک خوش گوار ازدواجی زندگی دیکھ کر میں کتنا خوش ہوں۔ تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔'' ۲۴

اور یہاں مسرور جہاں نے خوبصورتی کے ساتھ بہت آسان بیان میں محبت کی وضاحت کی جو قارئین کے دل کو چھو جاتے ہیں۔ اور یہی مہارت مسرور جہاں کے افسانے کی کامیابی کی ایک اہم وجہ بنی۔

ایک بڑے افسانہ نگار کی شناخت ان کی بصیرت اور ان کی سطروں سے ہوتی ہے جو سماجی زندگی اور افراد کے بیچ سے چن کر اپنے قلم کے ذریعے قاری کو حقائق سے دوچار کرتا ہے۔ مسرور جہاں نے نسوانی مسائل پر خاص توجہ دی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ خود بھی ایک عورت تھیں اور اس لئے خواتین کی زندگی کے ہر ایک پہلو ہر ایک مسائل سے بخوبی جانتی تھیں۔ انہوں نے خواتین کی زندگی کے مختلف معاملات و مسائل، جنس و نفسیاتی الجھنوں کو عنوان بنا کر چھوٹے چھوٹے واقعات اور کرداروں کے ذریعے اپنے افسانوں کی تشکیل کی ہے۔ ''زمین'' افسانہ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس میں ایک مجبور عورت رشتوں کی صلیب پر ٹانگ دی جاتی ہے۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

غریب مولوی نورالہیٰ کی لڑکی رحت بی بی کی شادی شہر کے ایک اوباش رائیس سیٹھ داؤد سے اس لئے ہو جاتی ہے کہ کوئی شریف اور عزت دار خاندان سیٹھ سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ شادی کے بعد رحت بی بی بیوی ہوتے ہوئے بھی سیٹھ داؤد کے لئے صرف کھانا پکانے والی ملازمہ سے زیادہ اور کچھ نہیں تھیں۔ بیٹے دراب کی پیدائش کے بعد بھی انکی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ بیٹے کی شادی ایک

اونچے خاندان کی لڑکی بلقس سے ہوتی ہے بہو نے بھی سانس کو ملازمہ ہی سمجھا۔بلقس بھی پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹے کی ماں بن چکی پھر بھی رحت بی بی کا حال وہی تھا۔آخر ایک دن پوتی کی سہلیوں کے لئے کھانہ پاکاتے وقت انکا انتقال ہوگیا۔اس افسانہ کے بارے میں ایک رائے پیش خدمت:

''اس افسانہ کا اختتامیہ! 'زمین آج زمین سے مل کر اس کا حصہ بن گئی۔' اس لیے کی روداد ہے۔ جو طبقاتی فرق کی تلخ حقیقت ہے۔ راحت بی بی سیٹھ داؤد کی بیوی بننے کے باوجود اس طرح حقیر رہیں جس طرح وہ پہلے تھیں۔ شادی نے اسے سماجی رتبہ تو دیا مگر وہ رتبہ نہیں دیا جو اس عورت کا حق ہے۔ وہ صرف داؤد کے لئے ہی حقیر نہیں تھیں۔ بلکہ اپنے لڑکے اسے بیوی اور انکے اولادوں کے لئے بھی زندگی بھر ایک ملازمہ رہی ہیں۔ اس کے لئے شوہر زمہ دار تھا؟ یا وہ خود؟ یا وہ معاشرہ جس میں راحت بیوی بی جیسی عورتیں صدیوں سے تل تل کر جی رہی ہیں۔'' ۲۵

یہی سوال اس افسانے میں بار بار ادہرایا جاتا ہے۔مسرور جہاں نے راحت بی بی کو زمین اور سیٹھ داؤد کو آسمان قرار دے کر اس سفارش کی اور طبقاتی فرق کو نمایاں کیا ہے، جو اس معاشرہ میں صدیوں سے جاری ہے۔

''سچ کے سوا'' افسانہ میں عورت کے دوسرے روپ کو دیکھنے کو ملتا ہے۔مسرور جہاں نے اس افسانہ میں ایک عورت کو موضوع بنایا ہے جو ظلم سہتے سہتے خود منصف بن کر ظلم کے خلاف فیصلہ کرنے کی جرائت رکھتی ہے۔پونم ملہوترا ایک اسکول مسٹر کی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔جس کی شادی ایک معمولی ٹھیکے دار راکیش سے ہو جاتی ہے۔راکیش ٹھیکے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو استعمال کرنے لگتا ہے۔نہ چاہتے ہوئے بھی پونم دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔لیکن جس دن راکیش نے اپنے مطلب حاصل کرنے کے لئے اپنی ہی بیٹی کاجل کو پارٹی میں لے گیا تو اسی وقت پونم باغی بن جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے اس ظلم ہونے سے رکھ دیتی ہے۔اور کہتی ہے:

''اور یہی وہ لمحہ تھا جب صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے اب تک

بہت صبر کیا تھا۔لیکن اب نہیں۔اور میں نے پستول کی ساری گولیاں راکش کے سینے میں اتراایں۔۔۔۔آج میں نے کاجل کو ہمیشہ کے لئے زمانہ کی بری نگاہوں سے محفوظ کرلیا ہوں۔'' ۲۶

افسانہ کے اختتام میں افسانہ نگار قارئین کے طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

''مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی ہوئی یہ پونم ملہوتر آج اتنی ہلکی پھلکی، آسودہ اور مطمئن ہے جتنی شادی کے پہلے اپنے غریب باپ کے گھر میں رہتی تھی۔ بیٹی کی نظروں میں سُرخُرد ہونے کی خوشی نے اپنی موت کا غم بھی بھلا دیا تھا اب اسے ہر سزا قبول تھی کیونکہ کوئی بھی سزا، اُس سزا سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو اُس نے راکیش کے ساتھ رہ کر بیس سال بھگتی تھی۔اور یہ گھناونی سزا راکیش کی موت پر ہی ختم ہوسکی۔اگر وہ زندہ ہوتا تو شاید سزاوٗں کا یہ سلسلہ اس کی بیٹی، اور پھر خاندان کی ہر بیٹی پر چلتا رہتا۔۔۔۔اگر گناہ کو ختم کرنا گناہ ہے۔تو وہ گنہگار ہے۔اگر برائی کو ختم کرنا جرم ہے، تو وہ مجرم ہے۔اور اپنے سچ کا اعتراف وہ پہلے ہی کرچکی ہے کہ راکیش کا قتل اس نے کیا ہے۔اور وہ بڑے فخر سے اعتراف کرتی ہے کہ وہ راکیش کی قاتل ہے۔'' ۲۷

''کل کی سیتا آج کی سیتا'' عورت کے موضوع پر ایک عمدہ کہانی ہے۔یہ اس عورت کا افسانہ ہے جو معاشرے میں اپنے وجود اور اپنے حقوق کے لئے کوشا ہے۔سیتا ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی جسے اپنی مرضی کے خلاف شادی کردی جاتی ہے۔شادی کے بعد وہ بیک وقت گھر کی باورچن دھوبن اور مہری بن گئی۔لیکن وہ اپنی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم دی۔بیٹی کی شادی بھی بیٹی کی پسند کئے ہوئے لڑکے کے ساتھ کردی۔

''لٹیرا'' ایک ایسی کہانی ہے جہاں مسرور جہاں نے ازدواجی زندگی میں عورت جو جسمانی ظلم سہتے ہیں اور مرد اسے اپنا حق سمجھتیا ہے اس کے خلاف اپنی رئے پیش کیا۔اس افسانہ سے ایک اقطباس دیکھئے:

''پتی ہونے کا مطلب یہ بھی تو نہیں ہے کہ وہ اس کی کوکھ میں پلنے والے اپنے بچے کا بھی خیال نہ کرے۔جسے اس کے نام کے ساتھ اس دنیا میں آنا ہے۔اور آج اس نام اور حق کو بنائے رکھنے کے لیے ایک ڈاکو کا دل پسیج گیا۔وہ چاہتا تو اس کو لوٹ سکتا تھا۔

لٹیرا وہ نہیں۔ پرکش ہے۔ اس کا پتی۔ جو اس کا ریپ کر رہا تھا'' ۲۸

''ٹکڑوں میں بٹی عورت'' افسانہ سر چند سطرے پیش خدمات ہیں:

''یہ بھی سماج کا ایک المیہ ہیکہ ایک کنواری لڑکی کو بڑی آسانی سے پلی پلائے بچوں کی ماں بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن مرد غیر کے بچے کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ مجبور نہیں ہوتا۔ اور عورت مجبور ہوتی ہے یا بنادی جاتی ہے۔'' ۲۹

''کتنے حج'' اور ''کفرہ'' جیسے دوسرے افسانے میں عورت کے کئی روپ ملتے ہیں۔ کہیں وہ اچھی سیرت خلوص اور محبت کا نمونہ ہے تو کہیں دوسروں کی زندگی میں پریشان بن کر نمودر ہوتی ہے۔

''کتنے حج'' افسانہ کی رحیمن بوا ایک ایسی عورت ہے جو دوسروں کے گھر میں کام کر کے پیسے اکٹھا کیا کرتی ہے تاکہ حج کو جاسکیں۔ لیکن جب کسی غریب ماں باپ نے پیسے کی کمی کی وجہ سے اپنی بیٹی کی شادی کا انتظام نہیں کر سکا تو وہ اپنا سارا پیسہ مالکن سے لے کر اس غریب کے حوالے کر دیتی ہے۔ ۳۰

دوسری طرف افسانہ ''کفارہ'' میں ایسی عورت کا کردار ہے جو رحمٰن پر صرف اس لئے ظلم کرتی رہتی ہے کہ وہ اس شہر کے ناجائز لڑکا ہے۔ رحمٰن کئی شکایت کے سوا ہر ظلم برداشت کرتا ہے۔ اس کی بیماری کے وقت رحمٰن کو سب سے زیادہ پریشان ہوتے ہوئے دیکھ کر اس عورت کو رحمٰن کے ساتھ کی گئی زیادتیوں اور ظلم کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ مرتے وقت رحمٰن کو جائداد میں حصہ دار بنانے کے لئے اپنے بیٹے جعفر سے کہتی ہے۔ اور اسی طرح مرتے وقت اس نے اپنی تمام زیادتیوں کا کفارہ ہی نہیں ادا کیا بلکہ یہ بھی مان لیا کہ رحمٰن کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ اس کے بیٹے کا۔ ۳۱

مسرور جہاں نے اسی طرح عورت کے مختلف کرداروں، عورت کے متعلق معاشرے کی سوچ، برتاؤ کو بخوبی سے اپنے افسانے کے موضوع بنایا۔ انہوں نے جس عورت کو اپنے فکشن کا کردار بنایا ہے اس کے متعلق عائشہ صدیقی کے الفاظ بھی اہمیت رکھتی ہیں:

''ان کے افسانوں کا محور عورت ہے۔ انہوں نے اس کے کردار پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مسائل، الجھنیں اور سکھ دکھ کا بیان انکے کافی

افسانوں میں ملتا ہے۔ ایک خاتون افسانہ نگار ہونے کے ناطے وہ اس کی نفسیات سمجھنے کی کوشش بھی کرتی ہیں اوراس کے گھر سنسار پر بھی گہری نظر رکھتی ہیں۔ انکے افسانوں میں زیادہ تر عورت کی پر وقار شبیہیں نظر آتی ہیں ساتھ ساتھ وقار اور انا کو مجروح کرتی ہوئی تصویریں پیش کی ہیں لیکن انکا قلم کہیں بہکا نہیں ہے اور زبان اور بیان میں اخلاقی قدروں سے تجاوز نہیں کیا ہے۔'' ۳۲

مسرور جہاں نے زندگی کے مسائل پر بہترین انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ ان تمام خصوصیات کا احاطہ اسلوب وقار ناصری نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے:

''مسرور جہاں کے افسانوں کی سب سے بڑی خصوصیات یہ ہے کہ انکے یہ افسانے انسانی معاشرے اور انسانی رشتوں تبدیلیوں کو واضح کرنے کے علاوہ اس عورت اور خاندان کی بات کرتے ہیں جن کی تعمیر یا تخریب کا معاملہ خود ایک موضوع ہے۔ عام فہم اور خوبصورت نثر میں لکھے گئے یہ افسانے دراصل زندگی کی تلاش کے افسانے ہیں۔ جن میں ہر کردار کی اپنی اپنی راہیں اور اپنے اپنے سنگ میل ہیں۔'' ۳۳

مسرور جہاں کی افسانہ نگاری کے حوالے سے مجموعی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ترقی پسند عہد کے بعد خواتین افسانہ نگاروں کے کئی اہم نام اردو ادب کو ملیں جن میں رشید جہاں، عصمت چغتائی، قرت العین حیدر، صالحہ عابد حسین، رضیہ، ممتاز شریں وغیرہ کے ساتھ مسرور جہاں کا نام بھی سرفہرست ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ کوئی فرضی کہانی نہیں بلکہ وہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی دین ہے۔ انکی قبولیت کا عالم کچھ یوں ہے کہ گھروں میں رہنے والی بوڑھی عورت سے لے کر یونیرسٹی میں زیر تعلیم نوجوانوں میں انکی تحریں خاص پسند کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ ادبی تخلیقات کی کامیابی کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ معاشرہ کے ہر طبقے میں پڑھی جائیں اور پسند کی جائیں۔ اور یہ منفرد مقام مسرور جہاں عطا کر چکی ہیں۔ انہوں نے اردو ادب میں وہ نمایاں خدمات انجام دیں جو انہیں اعلی ادبی مقام میں رکھنے کے ساتھ ساتھ انکی شخصیت کو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

ماخذ ومنابع

۱۔ا۔فاشی، دیباچہ،''چراغ پھولوں کے''،مسرور جہاں، کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، علی گڑھ،۱۹۸۰ء، ص-۸

۲۔وقار ناصری، مسرعر جہاں کے افسانے، خوصوصی اشاعت اودھ نامہ، لکھنؤ، ۹ مارچ ۲۰۱۴ء، ص۔۲۱

۳۔غلام نبی کمار، تعارف مسرور جہاں، ہفتہ روزہ لازوال، ۲۷ دسمبر ۲۰۱۹، ص۔۱

۴۔Raza Naeem,"Farewell to Masroor Jahan and her Lucknow",The Friday times,Pakistan's First Independent weekly paper,4th October, 2019

۵۔ پرویز شکوہ، مسرور جہاں اور انکی افسانوی تخلیقات، 'روزنامہ اودھ نامہ' ای- پیپر اردو، لکھنؤ، ۸ دسمبر ۲۰۱۸ء

۶۔رضیہ خاتون، 'مسرور جہاں: تہذیبی اور اقدار کے آئینے میں، ماہنامہ اردو دنیا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، جنوری ۲۰۲۰، ص۔۵۴

۷۔مسرور جہاں،''نور بے نور''، بوڑھا یوکلپٹس، مسرور جہاں کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص۔۱۶

۸۔ایضاً ص۔۲۱

۹۔ایضاً ص۔۲۱

۱۰۔مسرور جہاں،''امام ضامن''، چراغ پھولوں کے، کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، علی گڑھ، ۱۹۸۰ء، ص-۱۱۰

۱۱۔مسرور جہاں،''چراغوں کا سفر''، کہاں ہو تم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۲ء، ص۔۱۹۵

۱۲۔ایضاً ص۔۱۹۵

۱۳۔وقار ناصری، مسرور جہاں کے افسانے، ایضاً ص۔۱۷

۱۴۔ایضاً ص۔۳۲

۱۵۔مسرور جہاں،''دھاوپ دھوپ سایہ''، مسرور جہاں، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء، ص۔۱۲

۱۶۔مسرور جہاں،''ہمیں جینے دو''، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء، ص۔۱۶

۱۷۔مسرور جہاں،''انتظار صدی کی''، خواب در خواب سفر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶، ص۔۱۵

۱۸۔رضیہ خاتون، 'مسرور جہاں: تہذیبی اور اقدار کے آئینے میں' ص۔۵۵

۱۹۔مسرور جہاں،''اندھیارے میں ایک کرن''، خواب در خواب سفر، ایضاً ص۔۱۸۷، ۱۸۸

۲۰۔مسرور جہاں، ''بوڑھا یوکلپٹس''،مسرور جہاں کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ،لکھنؤ،۱۹۸۲ء،ص۔۵۵

۲۱۔ایضاً،ص۔۵۹

۲۲۔ایضاً،ص۔۶۰

۲۳۔مسرور جہاں، ''ہمسفر ہمسفر اکیلا'' پرندے کے سفر،مسرور جہاں کراؤن گیٹ جگت نرائن روڈ،لکھنؤ،۱۹۸۴ء، ص۔۱۲۱

۲۴۔ایضاً،ص۔۱۲۲

۲۵۔وقار ناصری،مسرور جہاں کے افسانے،ایضاً،ص۔۱۰

۲۶۔مسرور جہاں، ''سچ کے سوا''، کہاں ہو تم،ایضاً،ص۔۲۹

۲۷۔ایضاً،ص۔۳۰

۲۸۔مسرور جہاں، ''لٹیرا''، خواب در خواب سفر،ایضاً،ص۔۵۲

۲۹۔ ''ٹکڑوں میں بٹی عورت'' ایضاً،ص۔۱۵۳

۳۰۔مسور جہاں، ''کتنے جج''، چراغ پھولوں کے،کریسنٹ پبلشنگ کمپنی،علی گڑھ،۱۹۸۰ء،ص-۸۵

۳۱۔مسرور جہاں، ''کفارہ''،بوڑھا یوکلپٹس،ایضاً،ص۔۱۳۶

۳۲۔عائشہ صدیقی، ''مسرور جہاں: ایک منفرد قلم کار،ایک صاحب طرز افسانہ نگار،روزنامہ اودھ نامہ،لکھنؤ۔

۳۳۔وقار ناصری، ''مسرور جہاں کے افسانے''،ہمیں جینے دو،مسرور جہاں،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی، ۲۰۱۶ء،ص۔۲۲